رسائل و مسائل

مقروض کی زکوٰۃ

میرے پاس رہایش کے لیے کشادہ اور آرام دہ مکان' مناسب فرنیچر اور دیگر گھریلو سامان کے علاوہ دو عمدہ کاریں بھی ہیں' فریج اور واشنگ مشین کا اچھا کاروبار بھی ہے اور بیوی کے پاس ۲۰' ۲۲ تولے سونے کا زیور بھی ہے مگر اس شان و شوکت کے لیے میں مقروض بھی ہوں اور کافی بڑا قرضہ ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ اگر مالیت سے زیادہ رقم کا قرض ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ مسئلہ تو آپ ہی لوگ بتا سکتے ہیں لیکن دل میں کبھی کبھی کھٹک ہوتی ہے کہ زکوٰۃ دینا چاہیے۔ آپ یہاں کے حالات سے واقف ہیں' بتایئے مجھے کیا کرنا چاہیے؟

رہایش کے مکان' فرنیچر' گھر میں استعمال کے سامان اور استعمال کی کاروں پر زکوٰۃ نہیں ہے البتہ بیوی کے زیور پر زکوٰۃ ہے' بیوی کو اس کی فکر رکھنا چاہیے اور ہر سال پابندی سے زکوٰۃ ادا کرنا چاہیے۔ بیوی کی طرف سے آپ نے اگر ادایگی کا ذمہ لے لیا ہے' تب بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔ فریج اور واشنگ مشین وغیرہ کے نفع بخش کاروبار کا باقاعدگی سے ہر سال کا حساب بنایئے اور لازماً اہتمام کے ساتھ زکوٰۃ ادا کیجیے۔ جس مال سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے اس مال میں اللہ تعالیٰ خیر و برکت دیتا ہے اور زکوٰۃ ادا نہ کرنے کا سخت عذاب ہے۔

آپ کو جو یہ معلوم ہے کہ مقروض' قرضے کی رقم منہا کرنے کے بعد اگر صاحب نصاب رہتا ہے تب ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے' بالکل صحیح معلوم ہے' مگر آپ کے قرض کا معاملہ اتنا سادہ سا نہیں ہے۔

آپ انتہائی خوشحالی اور عیش و راحت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ کو دیکھ کر کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا کہ خدانخواستہ آپ مفلس ہیں اور زکوٰۃ دینے کے لائق نہیں ہیں۔ ماشاء اللہ عظیم الشان' کشادہ اور عیش و راحت کی سہولتوں سے آراستہ مکان بھی ہے' وسیع نفع بخش کاروبار بھی ہے' دو خوب صورت کاروں کے بھی آپ مالک ہیں اور بیوی کے پاس سونے کے زیوارات بھی ہیں۔ ایک خوشحال انسان کے پاس جو کچھ ہو سکتا ہے' وہ سب کچھ نہایت فراوانی کے ساتھ آپ کے پاس ہے۔

البتہ یہ قابل افسوس امر ہے کہ آپ نے قرض لے رکھا ہے' اور بہت بڑا قرض لے رکھا ہے۔ لیکن یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ آپ نے جو قرض لیا ہے' اس وجہ سے نہیں لیا ہے کہ آپ ضرورت مند ہیں اور

اپنی خستہ حالی اور معاشی پریشانی سے مجبور ہیں۔ آپ کی ضرورتیں تو قرض لیے بغیر بھی پوری ہو رہی ہیں، لیکن آپ معیار زندگی کو بلند سے بلند کرنے، اور خوشحال سے خوشحال تر بننے کے لیے قرض لیے ہوئے ہیں اور طویل المیعاد اس قدر قرضہ لیے ہوئے ہیں کہ فی الوقت جو مال و ملکیت آپ کے پاس ہے، اس سے قرض زائد ہے۔ یوں قرض کے ایک ایسے جال میں آپ نے خود کو پھنسا لیا ہے کہ زندگی بھر کے لیے آپ اس سے نجات نہ پاسکیں گے، البتہ عیش و عشرت کی خوشحال زندگی آپ گزارتے رہیں گے۔

ان حالات میں اگر کبھی کبھی آپ کو یہ کھٹک محسوس ہوتی ہے کہ آپ کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے تو اللہ کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کے دل میں ایمان موجود ہے اور ضمیر زندہ ہے۔ آپ زکوٰۃ ادا کرتے رہیے، صدقہ و خیرات ادا کرنے کی عادت بھی رکھیے اور شب کی تاریکی میں اپنے رب سے گریہ و زاری بھی کرتے رہیے کہ وہ آپ کو اس غلط قرض کی مصیبت سے نجات دے دے، آپ چاہے اوسط درجے کی زندگی گزارتے رہیں لیکن قرض اور سود کی لعنت سے بچ جائیں۔

اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ آپ بنک سے قرض لے کر ہی خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی گزار سکتے ہیں ورنہ تنگی اور عسرت ہی میں زندگی گزرے گی تو آپ کی یہ سوچ قطعاً غلط ہے۔ آدمی کی خوشحالی اور عسرت اللہ کی طرف سے ہے۔ اس کا دارومدار اللہ کے فیصلے پر ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: **اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ وَیَقْدِرُ لَہٗ** (العنکبوت ۲۹:۶۲)، "اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا اور جس کا چاہتا ہے، تنگ کر دیتا ہے"۔ رزق کی تنگی اور کشادگی کی بنیاد یہ نہیں ہے کہ آپ حلال ذریعہ اختیار کرتے ہیں یا حرام بلکہ تنگی اور فراخی کی بنیاد اللہ کی تقدیر ہے اور وہی جانتا ہے کہ کس کی تقدیر میں رزق کی کشادگی ہے، اور کس کی تقدیر میں رزق کی تنگی۔

البتہ آپ کے اختیار میں یہ ضرور ہے کہ آپ چاہیں تو حلال ذرائع سے روزی حاصل کریں یا حرام ذرائع سے۔ روزی کی تنگی اور کشادگی آپ کے اختیار میں نہیں ہے۔ یہ اللہ نے آپ کے اختیار میں نہیں دیا ہے۔ یہ معاملہ اس نے صرف اپنے اختیار میں رکھا ہے البتہ یہ بات پورے طور پر آپ کے اختیار میں دے رکھی ہے کہ آپ اپنی مقدر روزی کو حاصل کرنے کے لیے حلال ذرائع بھی اختیار کر سکتے ہیں اور حرام ذرائع بھی۔ اسی اختیار میں آپ کی آزمایش ہے، حلال ذرائع اختیار کر کے آپ خدا کے وہ مطلوب بندے بنتے ہیں جس پر اللہ کی عنایات ہوتی ہیں، اور جس کو حیات طیبہ کی نعمت سے نوازا جاتا ہے اور حرام ذرائع اختیار کر کے آپ اللہ کی عنایت اور نظر کرم سے محروم ہو کر وہ زندگی گزارتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے، اور یہ حیات خبیثہ ہے۔ اللہ آپ کو اس زندگی سے محفوظ رکھے اور حیات طیبہ سے نوازے۔

آپ یہ عزم مصمم کرلیں کہ حلال روزی ہی حاصل کریں گے اور حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں گے تو

ہرگز یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ کی روزی تنگ ہی رہے۔ اگر اللہ نے آپ کی تقدیر میں کشادگی اور خوشحالی رکھی ہے تو لازماً آپ کو خوشحالی ہی حاصل ہو گی۔ کوئی وجہ نہیں کہ آپ تنگ دست رہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور اس کے حکم کی تعمیل میں حلال روزی ہی کا اہتمام کریں۔ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ وہاں سے آپ کی رزق رسانی کا بندوبست فرمائے گا، جہاں آپ کی نگاہ بھی نہیں پہنچتی۔ اللہ کا ارشاد ہے اور اس سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجاً - وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ - وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ - اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ - قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا (الطلاق ۶۵:۲-۳) "جو شخص اللہ سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارے گا اللہ اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دے گا اور اسے ایسے راستے سے رزق دے گا جدھر اس کا گمان بھی نہ جاتا ہو۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا اس کے لیے وہ کافی ہے۔ اللہ اپنا کام پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک تقدیر مقرر کر رکھی ہے"۔

اللہ نے حق و باطل، حلال و حرام کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جو شخص حق اور حلال پر ہی ہر حال میں عمل کرنے کا تہیہ کر لے گا وہی تو ہے جو تقویٰ کی زندگی گزار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس تقویٰ کی برکت سے اس کے لیے مشکلات سے نکلنے کی راہ پیدا فرما دے گا اور اس کی روزی رسانی ان ان راہوں سے کرے گا جہاں اس کا گمان بھی نہ پہنچے گا۔ حلال پر اکتفا کر کے اس کو رب پر بھروسہ کرنا چاہیے اور جو بھروسہ کرے گا وہ ہرگز مایوس نہ ہو گا، اللہ اس کے لیے کافی ہو گا، اس لیے کہ اللہ جب کسی بات کا فیصلہ کر لیتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس فیصلے کے نفاذ میں آڑے نہیں آ سکتی۔

آپ کا یہ سوچنا کہ سود کی بنیاد پر تعمیر ہونے والی اس ملک کی معیشت میں سودی رقم لے کر ہی آپ آرام و راحت کی زندگی گزار سکتے ہیں، اور قرض پر قرض لے کر داد عیش دیتے رہنے ہی میں فراخی اور خوشحالی ہے، تو آپ کی سوچ غلط ہے۔ حرام سے خود کو بچایئے اور طے کیجیے کہ حلال طریقے سے ہی اپنے حالات کو سدھاریں گے تو اللہ کا آپ سے وعدہ ہے کہ وہ آپ کے لیے کافی ہے اور اللہ سے زیادہ اپنے وعدے میں کون سچا ہو سکتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مقروض کو اپنا پورا قرضہ اپنے مال میں منہا کرنے کے بعد ہی زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ اگر قرض منہا کرنے کے بعد بھی وہ صاحب نصاب باقی رہے۔ لیکن آپ نے خود کو مثالی خوش حالی بنانے کے لیے اتنا کچھ لے رکھا ہے کہ اگر اس کا حساب کریں گے تو آپ کبھی شاید صاحب نصاب نہ رہیں۔ جب اس سہولت سے قرض مل سکتا ہو تو آپ اس مکان اور اس فرنیچر اور ان کاروں پر اکتفا کریں گے، خوب سے خوب تر کی طرف آپ کی حرص و ہوس آپ کو دھکیلتی رہے گی اور شاید حساب کی رو سے کبھی آپ صاحب نصاب قرار نہ پائیں لیکن آپ انتہائی خوشحالی اور کشادگی کی زندگی

گزارتے رہیں گے۔ آپ کا معاملہ اس مقروض سے مختلف ہے جو مجبوراً قرض لیتا ہے اور وہ واقعی ترس کھانے کے قابل ہوتا ہے۔ آپ مجبوراً قرض نہیں لے رہے ہیں بلکہ معیار زیست کو بلند کرنے کے لیے قرض لے رہے ہیں اور کچھ ایسے انداز سے زندگی کو ترتیب دے رہے ہیں کہ آپ کے ٹھاٹ باٹ بھی برقرار رہیں اور قرض بھی ادا ہوتا رہے۔ اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر اللہ نے آپ کے اس شعور کو بیدار رکھا ہے کہ آپ کو زکوٰۃ کی فکر ہے تو آپ دیتے رہیے اور رب سے دعا کرتے رہیے کہ پروردگار مجھے اس غلط فکر اور تباہ کن عمل سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ممکن ہے نماز اور زکوٰۃ کی پابندی کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو اس معاشی عذاب سے بھی بچا لے۔ جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے، اور اس کے حکم کے مطابق تقویٰ کی زندگی گزارنے کا حتمی فیصلہ کرلیتا ہے، اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے اور اللہ جس کی مدد پر ہو، اس کو کبھی ناکامی نہیں ہوتی۔ (محمد یوسف اصلاحی)

جہیز کا وراثت سے تعلق

ہماری اولاد تین بچیوں اور ایک بیٹے پر مشتمل ہے۔ میں ایک بیٹی کی شادی کر چکی ہوں اور دوسری کی تین ماہ بعد ان شاء اللہ ہو رہی ہے۔ میں اپنی بچیوں کو جو کچھ بھی دے رہی ہوں یہ بات ذہن میں رکھ کر دے رہی ہوں کہ میرے بیٹے کے ساتھ جایداد کے لیے کوئی نہ جھگڑے۔ اس موقع پر زیور اور گھر کے تمام سامان کے روپ میں بیٹی کا قانونی حق دے دوں، مگر کچھ لوگ کہہ رہے ہیں کہ شادی کے موقع پر جہیز الگ چیز ہے اور جایداد کا حصہ الگ چیز ہے جبکہ ہماری اتنی طاقت تو نہیں کہ شادی پہ الگ دوں اور جایداد کا حصہ الگ۔ اس معاملے میں آپ سے مشورہ درکار ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی کے موقع پر جو سامان دوں وہ "جہیز" کے نام پر نہ ہو بلکہ اس کا "قانونی حق" کر کے ادا کروں۔

جہیز کا تعلق وراثت سے نہیں ہے، نہ ہی یہ ایسا حق ہے جو ماں باپ کے مال میں حق وراثت کو ختم کرتا ہے۔ یہ بیٹی کا ایک اضافی اور مستقل حق ہے کہ جب وہ آپ کے گھر سے رخصت ہوتی ہے تو آپ کو چاہیے کہ کچھ ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ (حسب توفیق) اسے رخصت کریں۔ آپ اپنے مالی حالات اور بچی کی حقیقی ضروریات کو سامنے رکھ کر ایک مناسب فہرست بنالیں اور پھر یہ دے کر اسے اعزاز و اکرام کے ساتھ رخصت کر دیجیے۔ جو کچھ دیں وہ اس تصور کے ساتھ دیں کہ یہ بیٹی کا اس موقع پر حق تھا، یہ حق تمام بیٹیوں اور بیٹوں کو ملے گا۔ آپ کا ایک بیٹا ہے تو اس کی شادی کے موقع پر اسے بھی حسب استطاعت یہ حق ملے گا۔ یہ ایک استثنائی حق ہے جو ہر ایک کے لیے ہے۔ اس کے بعد دیگر مواقع کے حقوق قائم رہیں گے۔ اس بنیاد پر کسی کو وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکے گا کہ اسے شادی کے موقع پر بہت کچھ دے دیا گیا تھا۔ شادی کے موقع پر دیا جانے والا حساب و کتاب میں نہیں آئے گا۔ زندگی میں کوئی اور موقع ایسا آ جائے

جس میں اولاد کو بطور خاص کچھ عطیات دینے ہوں تو ان میں بھی اسی پہلو کو مدنظر رکھنا ہو گا کہ استطاعت ہو تو سب کو مساوی عطیات دیے جائیں اور ہر ایک کی حاجت اور ضرورت کو ملحوظ رکھا جائے۔ اگر کسی بیٹی کو جہیز دیا گیا تھا لیکن بعد میں اسے کوئی ضرورت درپیش ہو تو پھر بھی اس کی حاجت کا خیال رکھا جائے۔

اسی اصول کو پیش نظر رکھ کر آپ اس وقت جہیز دیں اور یہ سمجھ لیجیے کہ اس وقت بہت زیادہ جہیز اس نیت سے دیا گیا کہ بعد میں بیٹے کے ساتھ کوئی قانونی جھگڑا نہ رہے تو ایسا صحیح نہ ہو گا کیونکہ جملہ قانونی اور اخلاقی حقوق باقی رہیں گے۔ واللہ اعلم! (مولانا عبدالمالک)

نکاح سے محروم لڑکی کا اجر

کیا وہ لڑکی بھی کسی اجر کی مستحق ہے جس کی شادی نہ ہوئی ہو اور وہ اپنے اہل خانہ (جن میں بھائی، بھابھیاں اور ان کے بچے یا شادی شدہ بہنیں اور ان کے بچے ہوں) کے ساتھ رہتی ہو، ان کے دکھ درد بانٹتی ہو اور گھر والوں کے حقوق پورے کرتی ہو۔ والدین کی خدمت تو اس کی سعادت ہے، اس لیے میں نے ان کا ذکر اہل خانہ میں نہیں کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دینی تقاضے پورے کرنے کی فکر کرتی ہو اور حیا کی جو حدود اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتائی ہیں، ان کا اہتمام کرتی ہو۔

میں آپ سے یہ اس لیے پوچھ رہی ہوں کہ بیٹی کے حقوق ادا کرنے پر سرپرستوں کو ملنے والا اجر قرآن و حدیث میں پایا، بحیثیت بیوی کے عورت کے حقوق اور نیک سیرت بیوی کو ملنے والے اجر کا بیان بھی پڑھا، اور وہ بیوہ عورت جو اپنے بچوں کی پرورش کے متاثر ہونے کے ڈر سے شادی نہیں کرتی اور پاک دامنی کے ساتھ زندگی گزارتی ہے، اس کا اجر بھی وضاحت سے پایا، لیکن ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو جس میں اوپر بیان کردہ صفات کسی درجے میں پائی جاتی ہوں، اس کو بھی کسی اجر کی نوید سنائی گئی ہے یا نہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لڑکیوں کی یہ قسم نہیں پائی جاتی تھی؟

ایسی لڑکیاں دنیا داروں اور "دین داروں" کی طرف سے بھی محض اپنے خوش شکل نہ ہونے کے باعث مسلسل رد کی جاتی ہیں۔ اس وجہ سے ایک کرب میں مبتلا رہتی ہیں۔ اس صبر پر ملنے والے اجر کا اگر علم ہو جائے تو شاید اس اذیت میں کچھ کمی ہو جائے۔ شادی کا ہونا یا نہ ہونا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ لیکن اس پورے عمل میں کہ ایک لڑکی کو دیکھا جائے اور اس کی عادات و اطوار اور دینی حالت کو ثانوی حیثیت دیتے ہوئے محض شکل و صورت کے معیار پر پرکھ کر رد کر دیا جائے--- تو وہ شدید اذیت سے دوچار ہوتی ہے۔ کیا اس لڑکی کو اپنے صبر پر کوئی اجر ملتا ہو گا؟"

قرآن پاک اور احادیث شریفہ میں کثرت سے اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایک ذرہ

برابر نیکی اور ذرہ برابر برائی کو نظرانداز نہیں فرمائیں گے (الزلزال ۹۹:۶-۸)۔ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و احسان ان کی صفت توحید کے بعد غالباً سب سے زیادہ اہم صفت کہی جا سکتی ہے۔ نہ صرف اس دنیا میں بلکہ آخرت میں وہ اپنے بندوں کے ساتھ عدل اور احسان کا رویہ اختیار فرماتے ہیں۔ اس لیے ایسے افراد کے حوالے سے بھی جو اہل کتاب میں سے ہوں اور عمل صالح کر رہے ہیں، عدل کے تقاضے کے پیش نظر یہ نہیں فرمایا گیا کہ چونکہ وہ اہل کتاب ہیں، ان کا عمل صالح یا عمل خیر ضائع ہو جائے۔ گو نجات کے لیے اسلام لانے کو شرط قرار دے دیا گیا ہے۔ (البقرہ ۲:۶۲)۔

اس بنیادی اصول کی روشنی میں اگر نیک اور پاک دامن لڑکی کسی بنا پر رشتہ ازدواج میں منسلک نہیں ہو سکی لیکن وہ اپنے والدین اور اہل خانہ کے ساتھ بھلائی، محبت، خدمت کا رویہ اختیار کرتی ہے تو عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ اس کا یہ عمل خیر بجائے خود ضائع نہ ہو اور اسے اس کا مناسب اجر ملے۔ آپ نے خود بھی اس طرف اشارہ کیا ہے کہ مثلاً ایک بیوہ اگر پاک دامنی برقرار رکھتے ہوئے محض اس خیال سے نکاح نہیں کرتی کہ اس کے بچوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کی پرورش صحیح طور پر نہ ہو سکے گی تو وہ اپنے اس صبر کا اجر پائے گی۔

لیکن آپ کے سوال کا دوسرا پہلو میری نگاہ میں زیادہ اہم ہے، یعنی کیا ایک غیر شادی شدہ لڑکی کو جب وہ خود شادی کرنے کے لیے آمادہ ہو لیکن اس کی شکل و صورت، مالی حالت، معاشرتی مقام یا کسی اور سبب سے شادی کے لیے پسند نہ کیا جائے، تو کیا پھر بھی وہ اس حدیث کی تعریف میں آئے گی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی**"۔

اسلام میں ہر عمل کی بنیاد دو چیزوں پر ہے، نیت اور اختیار وسعت یا استطاعت۔ اگر ایک فرد کی نیت حج کی ہے اور دوران سفر انتقال کر جائے تو گو اس فرد نے عملاً حج نہیں کیا، قرآن کی روشنی میں اس کا حج قبول کر لیا جائے گا۔ ایسے ہی اگر ایک شخص کو ایک کام کی طاقت، استطاعت، وسعت یا اختیار نہ ہو تو اس پر مسئولیت بھی نہیں ہوتی۔ "**لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا**" (البقرہ ۲:۲۸۶)۔ اسلامی تعلیمات کتنی سادہ، سیدھی، آسان اور عملی ہیں۔ یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ نکاح جیسی سنت، جس کی اسلام کے نظام حیات میں مرکزی اہمیت ہے، سے جان بوجھ کر اپنے آپ کو روکنا اور نکاح کی خواہش کے باوجود نکاح نہ ہو پانا دو مختلف کیفیات ہیں۔ موخر الذکر صورت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے اس بات کی امید اور دعا کرنی چاہیے کہ وہ اس کا بہترین اجر اس دنیا اور آخرت میں عطا فرمائیں۔

"دنیا داروں" کی طرف سے محض شکل و صورت یا رنگ کی بنا پر ایک صالح لڑکی کو شادی کے لیے قبول نہ کرنا تو سمجھ میں آتا ہے لیکن "دین دار" افراد کی جانب سے ایسا عمل سخت تکلیف کا باعث ہے۔ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاشبہ شادی کے حوالے سے جن خصوصیات کا ذکر فرمایا ہے، اس میں حسن، دولت، خاندان کا ذکر بھی ہے لیکن اس حیثیت سے نہیں کہ اس کو اولیت دی جائے بلکہ اس حیثیت سے کہ ان سب سے بڑھ کر صالحیت اور تقویٰ وہ خصوصیت ہے جو فی الاصل شادی کے لیے بنیاد ہونی چاہیے۔ اس لیے "دین داروں" کا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے باوجود محض شکل و صورت کی بنا پر کسی کو پسند نہ کرنا اور اسلامی شخصیت و کردار کو ثانوی حیثیت دینا سنت کی روح کے بالکل منافی ہے۔ ایسی لڑکیوں کا صبر و استقامت کرنا اور اپنے آپ کو پاک دامن رکھنا ایک نوعیت کا جہاد ہے جس پر اجر کی پوری امید رکھنی چاہیے، ان شاء اللہ۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مادہ پرستی کے اس دور میں ہم نے نہ صرف قرآن و سنت کی واضح تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا ہے بلکہ ان آفاقی اسلامی اقدار کو بھی بھلا دیا ہے جو صالحیت اور کردار و عمل کو ترجیح دینا سکھاتی ہیں۔ ہمیں خود احتسابی کرتے ہوئے روح اسلام کو تازہ کرنے کے لیے سماجی جہاد کے ذریعے ان فرسودہ روایات کی اصلاح کرنی ہوگی تاکہ ان صالح لڑکیوں کو ذہنی تکلیف سے بچایا جا سکے جو محض سماجی روایات کی بنا پر نکاح کی سنت سے محروم کر دی جاتی ہیں۔ (ڈاکٹر انیس احمد)

مہران اکیڈمی

بانی: خرم مرادؒ قیام: جنوری ۱۹۸۹

سندھی زبان میں دعوتی، تبلیغی اور تحریکی لٹریچر کی اشاعت میں سرگرم

☆ ۱۴۶ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ ☆ مولانا مودودیؒ کی ۲۲ کتب کا ترجمہ شائع کیا جا چکا ہے۔ ☆ بچوں کے لیے خوبصورت اور دلچسپ کہانیاں شائع کی ہیں۔

سندھ کے کونے کونے میں بک اسٹالوں پر یہ کتب دستیاب ہیں

فہرست اور تفصیلات کے لیے رابطہ:

مہران اکیڈمی واگنہ گیٹ شکار پور سندھ - پوسٹ کوڈ ۷۸۱۰۰